تشدّد

اسباب و محرّکات

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی ۲۵

فہرست مضامین

حرفے چند	ڈاکٹر سید عبدالباری	۴
احساسات	مولانا محمد سراج الحسن	۵
امریکہ کی دہشت گردی مخالف مہم	مولانا سید جلال الدین عمری	۹
امریکی دہشت گردی اور بہیمانہ انتقام	ڈاکٹر فضل الرحمٰن فریدی	۲۱
دہشت گردی اور مغرب کے جارحانہ عزائم	پروفیسر خورشید احمد	۳۱
امریکہ کا عظیم حادثہ ــــ ذمہ دار کون؟	ڈاکٹر فضل الرحمٰن فریدی	۵۵

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ چند

اس وقت تشدد و دہشت گردی کی عالمی پیمانے پر آندھی سی چل رہی ہے، جس کی زد میں امیر اور غریب دونوں سطح کی قومیں اور ممالک آگئے ہیں۔ اس صورت حال کا عالمی پیمانے پر مختلف پہلوؤں سے جائزہ لیا جارہا ہے اور اس سلسلے میں کافی فکر انگیز تحریریں منظر عام پر آرہی ہیں۔ ان تحریروں سے دنیا کی آنکھیں کھل رہی ہیں اور مختلف پہلوؤں سے وہ تمام حقائق لوگوں کے سامنے بے نقاب ہو کر آرہے ہیں، جن پر شاطرانہ پروپگنڈے کا دبیز غلاف ڈال دیا گیا تھا۔ ظلم، ناانصافی اور بربریت کے خلاف رائے عامہ بیدار ہو رہی ہے۔ کمزور و مظلوم طبقات میں اپنی عزت اور اپنے وقار کی حفاظت کا جذبہ تقویت حاصل کرتا جارہا ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس موضوع پر مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز دو اہم کتابیں، ''دہشت گردی اور اسلامی تعلیمات'' اور ''اسلام اور دہشت گردی'' پیش کر چکا ہے اور اب یہ تیسری کتاب ''تشدد ــــ اسباب و محرکات'' منظر عام پر آرہی ہے۔

زیر نظر کتاب جماعت اسلامی ہند کے امیر محترم مولانا محمد سراج الحسن کے ''احساسات'' اور برصغیر کے تین ممتاز اصحاب نظر اور دانش وروں، مولانا سید جلال الدین عمری، ڈاکٹر فضل الرحمٰن فریدی اور پروفیسر خورشید احمد کے فکر انگیز مقالات پر مشتمل ہے۔

ہمیں توقع ہے کہ ان تحریروں کی مدد سے قارئین کو صحیح نتائج تک پہنچنے اور حق کی حمایت و ناحق کی مذمت میں سہولت ہوگی۔

ڈاکٹر سید عبدالباری

مولانا محمد سراج الحسن صاحب
امیر جماعت اسلامی ہند

احساسات

اس وقت امریکہ افغانستان پر اپنی پوری طاقت سے حملہ آور ہے۔ اس کے کیا مقاصد ہیں؟ اس پر مختلف انداز سے لوگ اظہار خیال کر رہے ہیں۔ بہر حال اختلاف انسان کی فطرت بھی ہے اور اس کا حق بھی۔ مگر چند بنیادی باتیں ہیں، جن کی طرف توجہ کرنی ہوگی۔ صد افسوس کہ نئی مسیحی صدی کا آغاز ایک خوفناک جنگ سے ہو رہا ہے۔ گزشتہ صدی کے خاتمے پر سب قیاس آرائیاں کر رہے تھے کہ آنے والی صدی کیسی ہوگی اور اس میں انسان کے مستقبل کے روشن ہونے کے کتنے امکانات ہیں۔ یاد ش بخیر موجودہ صدر امریکہ جارج بش کے والد محترم جب دس سال پہلے امریکہ کے تخت حکمرانی پر متمکن تھے تو انہوں نے ایک نئے عالمی نظام کا نعرہ دیا تھا۔ نئی صدی کے لیے انہوں نے جو خواب دیکھا تھا شاید یہی خواب ان کے صاحب زادے کی کوششوں سے شرمندہ تعبیر ہو رہا ہے۔ ان کا خیال تھا کہ نئے عالمی نظام کا محور و مرکز امریکہ ہوگا۔ دنیا وہ کرے گی جو امریکا چاہے گا، وہی دیکھے گی جو امریکا دکھائے گا اور وہی سنے گی جو امریکا سنائے گا۔ ظاہر ہے کہ پوری دنیا کو اپنی گرفت میں لینے اور اپنے مخصوص سانچے میں ڈھالنے کے لیے یہ ممکن نہ تھا کہ ہر جگہ اس کی فوجیں اور اس کے آدمی موجود ہوں۔ ان کا تصور یہ تھا کہ وہ اپنے ملک میں رہتے ہوئے تمام ملکوں کے چودھری بن جائیں گے۔ اس وقت اشتراکیت کی قوت اور روس کے استبداد کے بکھر جانے کے بعد اب کوئی اور سپر پاور نہ تھا، جو امریکہ کی راہ میں حائل ہوتا۔

کسی زمانے میں یہ مشہور مقولہ ایجاد ہوا تھا کہ ''جس کی لاٹھی اس کی بھینس۔'' تاریخ کے مختلف ادوار میں اس پر لوگ عمل کرتے رہے ہیں اور اسے سچ ثابت کرتے رہے ہیں۔ اب

اس کی گواہی دینے کی ذمہ داری امریکہ نے سنبھال لی ہے کہ جس کے پاس طاقت ہوگی صرف اسی کی بات چلے گی۔ حیرت کا مقام ہے کہ اسی طاقت کے کرشمے سے ؎

جو تھا ناخوب بتدریج وہی خوب ہوا

آج کی مہذب دنیا میں جہاں مجلس اقوام متحدہ بھی ہے، انصاف کی عالمی عدالتیں بھی ہیں، مساوات اور حقوق انسانی پر زبردست بحثیں ہورہی ہیں اور بال کی کھال نکالی جارہی ہے، اسی دنیا میں اندھادھند بے قصور انسانوں پر بمباری ہورہی ہے اور سب اس طرح تماشائی بنے ہوئے ہیں، جیسے کرکٹ کا کوئی میچ ہورہا ہو۔

آپ نے ۱۱؍ستمبر کو یہ خبر سنی کہ ورلڈ ٹریڈ سنٹر نیو یارک کی عمارت پر حملہ ہوا اور پھر واشنگٹن کی اس فوجی مرکز کی عمارت پر بھی حملہ ہوا جس کے بارے میں دنیا کو یہ یقین دلایا گیا ہے کہ نعوذ باللہ پنٹاگن ہی درحقیقت سمیع و بصیر، علیم و خبیر اور حاضر و ناظر وجود ہے، جس کی گرفت سے دنیا کا کوئی حصہ اور کوئی شخص باہر نہیں۔ عجیب بات ہے کہ اس قدر بھیانک اور منصوبہ بند حملے کی بھنک تک پنٹاگن کو نہ لگی۔ اس رازداری اس اعلیٰ درجہ کی تیکنیکی مہارت اور فنّی اہلیت کا ثبوت پیش کیا گیا کہ دنیا حیرت میں پڑ گئی۔ یہ کن لوگوں کا کام ہے اور حقیقتاً کون لوگ اس میں ملوّث تھے اس کی زیادہ کھود کرید امریکہ شاید اپنی مصلحتوں اور مجبوریوں کی وجہ سے نہ کرسکا۔ اتنی منظّم رازداری اور اس قدر وسائل و ذرائع کے ساتھ کون توڑ پھوڑ کرسکتا ہے اس کا پتا شاید امریکہ چلانا بھی نہیں چاہتا۔ علامہ اقبال نے تقریباً پون صدی قبل مغرب کی سب سے بڑی کمزوری کی طرف اشارہ کیا تھا: ؎

فرنگ کی رگ جاں پنجۂ یہود میں ہے

دنیا کی تاریخ گواہ ہے کہ ہر بڑا فتنہ اور ہر بڑی سازش کا محور یہودی رہے ہیں۔ دنیا کی ہر بڑی شکست و ریخت میں اس قوم کو ملوّث پایا گیا ہے۔ مگر یہ اپنا جرم دوسروں کے سر منڈھنے کے آرٹ میں بھی اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ آنے والے وقت میں امید ہے کہ حقائق بے نقاب ہوں گے اور وہ چھپ کر نہ رہ سکیں گے اور پھر اس عالمی تاریخ کو زیروزبر کرنے والے حادثہ کے اصل ملزم کھل کر سامنے آجائیں گے۔ یہ سچ ہے کہ اس وقت پروپگنڈے کا غبار ہر طرف چھایا ہوا ہے، لیکن حقیقت کا آفتاب عالم تاب یقیناً طلوع ہوگا۔ اس وقت عالم یہ ہے کہ سازش کرنے

والے سازش کرتے ہیں اور سازش کے لیے جن کو استعمال کرتے ہیں ان کو بھی پتا نہیں چلتا کہ ہم استعمال ہو رہے ہیں۔ کبھی دیوانگی کبھی شخصی عزائم اور کبھی کسی گہری چوٹ کا انتقام اس طرح کے استعمال ہونے والوں کا محرک بن جاتا ہے۔ ظاہر ہے جن کے چہرے سامنے ہوتے ہیں وہی ذمہ دار قرار دیئے جاتے ہیں اور سارا الزام انہیں کے سر جاتا ہے۔ کچھ اسی طرح کی کیفیت اس واقعہ کے ساتھ پیدا ہوئی ہے کہ اصل مجرم پردہ کے پیچھے رہے اور دنیا دوسروں کو ملامت کرنے کے لیے مجبور کر دی گئی ہے۔

مجھے یاد آتا ہے کہ آج سے تقریباً ربع صدی پہلے جب ہم پندرہویں صدی ہجری کا استقبال کر رہے تھے تو اس یقین سے سرشار تھے کہ آنے والی صدی اسلام کی صدی ہوگی اور اسلام کا ابر رحمت صدیوں سے دبی کچلی مظلوم انسانیت پر ان شاء اللہ برسے گا۔ آج بھی اسی یقین کا چراغ ہمارے دلوں میں روشن ہے کہ اسلام بہت جلد ایک ابر رحمت بن کر ساری دنیا پر چھا جائے گا۔ مگر سوال یہ ہے کہ اس وقت قیادت کس کے ہاتھ میں ہوگی؟ مشرق کے یا مغرب کے؟ تاریخ میں ایسا بارہا ہوا ہے کہ خود اسلام کے دشمن ہی اسلام کے علمبردار بن کر دنیا میں ابھرے ہیں۔ شاید اکیسویں صدی کے اس ہوش ربا دور میں بھی مشیت انہیں قوموں سے اسلام کی پرچم کشائی کا کام لے گی، جو آج اس کے خون کے پیاسے ہیں اور شاید مغرب میں امریکہ اور مشرق میں جاپان ہی کو یہ شرف حاصل ہوگا کہ وہ دنیا کے بازاروں پر قبضہ کرنے کی بجائے مظلوم انسانوں کے دلوں کو اسلام کے پیام رحمت کے ذریعہ جیتنے کے لیے منظر عام پر آئیں۔ شاید امریکی قوم کے اندر کچھ ایسی خوبیاں ہیں جو ساری خرابیوں کے باوجود وہاں کے عوام کے بارے میں اچھی توقعات رکھنے پر ہمیں آمادہ کرتی ہیں۔ اس قوم کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ آزادی فکر و عمل کی قدر شناس ہے اور کھلے ذہن سے ہر معقول بات قبول کرنے پر آمادہ ہوتی ہے۔ اپنی بات کو پیش کرنے، دوسروں کی سننے اور انسان کے شخصی احترام کی قائل ہے۔ یہ سچ ہے کہ ان کا میڈیا، ان کے سیاستداں اور اوپر کے چالاک لوگ اپنے وسائل و ذرائع سے کام لے کر ایک خاص انداز سے سوچنے اور ایک خاص طرز عمل کو اختیار کرنے پر عوام کو مجبور کر دیتے ہیں۔ لیکن عوام کی یہ صلاحیت سیاستدانوں کی روش سے متاثر نہیں ہوتی ہے۔ دوسری خوبی یہ ہے کہ اپنی بے پناہ مادیّت پرستی کے باوجود انسانی ہمدردی اور انسان کی خیر خواہی اور مدد کا جذبہ ان کے اندر دوسروں سے کہیں

زیادہ پایا جاتا ہے۔ حیرت ہوتی ہے کہ ہزار ناسازگار حالات کے باوجود ذہن و کردار کی یہ غیر معمولی خوبی اس قوم کے اندر کس طرح پیدا ہوئی۔ اس صلاحیت سے یہ امید قایم ہوتی ہے کہ یہ قوم اپنے سیاستدانوں سے الگ ہٹ کر صداقت حق اور خیر کو قبول کرتی جائے گی اور ایک صالح انقلاب کی قیادت کے لیے خود قدم اٹھائے گی۔ افغانستان پر آگ، بارود اور گولیوں کی بارش کرنے والے ہاتھ امید ہے شل ہوں گے۔ دنیا میں ظلم وزیادتی کی آندھیاں رکیں گی اور ان کے عزائم ناکام ہوں گے، جو اسلام کے چشمۂ صافی کو زہر آلود ثابت کرنے کی کوششیں کر رہے ہیں۔

مولانا سید جلال الدین عمری
صدر ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی، علی گڑھ

امریکہ کی دہشت گردی مخالف مہم
اسلام اور مسلمانوں کا موقف

۱۱ر ستمبر ۲۰۰۱ء کا ہولناک واقعہ

۱۱ر ستمبر ۲۰۰۱ء کا دن امریکہ کی تاریخ کا سیاہ ترین دن تھا۔ اس روز امریکہ ہی کے مختلف ہوائی اڈوں سے چار جہازوں نے پرواز کی۔ ان میں سے ایک نیویارک میں، امریکہ کے بلکہ دنیا کے سب سے بڑے تجارتی مرکز ورلڈ ٹریڈ سنٹر کی ایک سو دس منزلہ فلک بوس عمارت سے ٹکرایا اور اسے ڈھیر کر کے رکھ دیا اور دوسرا امریکہ کے سیاسی مرکز واشنگٹن میں وزارت دفاع پنٹا گن (Pentagon) کی قلعہ بند شہر پر برق بن کر گرا اور اسے خاک میں ملا دیا۔ یہ سب کچھ صرف پینتالیس (۴۵) منٹ کے اندر ہو گیا۔ اس واقعہ نے صرف امریکہ ہی کو نہیں بلکہ ساری دنیا کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ خود امریکہ کے اندر اس کی فوجی اور حربی طاقت کو اس طرح کا کبھی خطرہ لاحق ہوگا یا اسے چیلنج کیا جائے گا۔ اس واقعہ پر ایک ماہ سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے، لیکن آج بھی اس کا ہر طرف چرچا ہے۔ کوئی بھی اخبار اٹھا لیجیے، اسے اس حادثہ کے ذکر سے اور اس کے بعد امریکہ نے جو اقدامات کئے ہیں، ان کے احوال سے بھرا ہوا پائیں گے۔ ریڈیو کھولیے تو اسی سے متعلق خبریں سننے کو ملیں گی، ٹی وی دیکھیے تو اس کے مناظر اور امریکہ اور دنیا کا ردعمل سامنے آئے گا۔ لیکن اب تک یہ بات کھل کر سامنے نہ آسکی کہ یہ حرکت کس کی ہے اور اس کے پیچھے کس کا ذہن اور کون سے محرکات کام کر رہے ہیں؟ اندازہ ہے کہ اس حادثہ میں پانچ سے سات ہزار افراد لقمہ اجل بن گئے۔ ان میں مرد عورتیں، بچے، جوان، بوڑھے سب ہی تھے۔ ان کا

تعلق امریکہ کے علاوہ دنیا کے دوسرے ممالک سے بھی تھا۔ ان میں غلط کار بھی ہوں گے اور نکوکار بھی، ان میں اعلیٰ تر مقاصد رکھنے والے بھی ہوں گے اور فروتر مقاصد کے حامل بھی، ان میں خود غرض اور مفاد پرست بھی ہوں گے اور وہ بھی جن سے نوع انسانی کی فلاح و بہبود کی توقع کی جاسکتی تھی۔ بہرحال یہ انسانی جانوں کا اتنا بڑا اتلاف ہے کہ اس کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے۔

سوال یہ ہے کہ امریکہ جو مادی اور عسکری لحاظ سے موجودہ دور کی سب سے بڑی طاقت ہے، جو جدید ذرائع و وسائل اور ٹکنولوجی سے پوری طرح مسلح ہے، جس کے پاس دنیا کا سب سے مضبوط سیکورٹی نظام ہے، جو اپنی حفاظت پر کروڑوں ڈالر، جو بہت سے ممالک کے بجٹ کے برابر ہے، خرچ کرتا ہے، جس کے بارے میں یہ تصور پایا جاتا ہے کہ وہ دشمن کے پل پل کی حرکت سے باخبر رہتا ہے اور جب چاہے اپنے حریف کو اس کے محفوظ مقام سے اچک کر لے جاسکتا ہے، اس کے گھر کے اندر دیکھتے کے دیکھتے یہ تباہی کیسے مچ گئی اور اسے پہلے سے کوئی خبر نہ ہوسکی؟ کیا اس حفاظتی نظام ہی میں کوئی خرابی تھی یا اس کے پیچھے اتنی زبردست اور خفیہ سازش تھی کہ اس نظام کے چلانے والوں کو اس کی ہوا تک نہیں لگی اور جب یہ واقعہ پیش آیا تو سب دم بخود اور مبہوت ہو کر رہ گئے۔

دوسرا اہم سوال یہ ہے کہ اس سانحہ کے پیچھے کس کا ہاتھ ہے؟ کیا یہ کوئی انتقامی کارروائی ہے یا یہ خود امریکہ میں کسی بے چین اور غیر مطمئن گروہ کی حرکت ہے؟ کیا یہ امریکہ کے خلاف خود امریکیوں کی کوئی سازش ہے یا یہ اس پورے نظام ہی کے خلاف بغاوت ہے؟

اسلام سے جوڑنے کی کوشش

اس طرح کے اور بھی سوالات ابھرتے ہیں لیکن امریکہ پر غم و غصہ، جھنجھلاہٹ، سبکی اور خوف و ہراس کی ایسی کیفیت طاری ہے کہ ان سب سے صرف نظر کرلیا گیا اور اسے اسلام سے جوڑ دیا گیا۔ یہ باور کرانے کی کوشش ہونے لگی کہ یہ دو نظریات کا تصادم اور دو تہذیبوں کا ٹکراؤ ہے۔ ایک طرف وہ تہذیب ہے جو انسان کی عظمت اور اس کے اعلیٰ اقدار حیات کی پاسباں اور محافظ ہے، جس کا امریکہ علم بردار ہے، دوسری طرف وہ تہذیب ہے، جو وحشت و بربریت اور ظلم و دہشت گردی کو رواج دینا چاہتی ہے۔ ایک طرف دورِ جدید اپنے افکار کی بلندی اور برتر انسانی خصوصیات کے ساتھ ہے، دوسری طرف دورِ قدیم کا حیوانی اور وحشیانہ کردار ہے۔

ایک طویل عرصہ سے دنیا کے ہر بگاڑ اور فتنہ وفساد کو اسلام کی تعلیمات کا نتیجہ قرار دیا جاتا رہا ہے۔ امریکہ کے حالیہ واقعات کے بعد یہ رجحان شدت سے سامنے آیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اسلام تشدد اور جارحیت کی تعلیم دیتا ہے اور جنگ جویانہ ذہن بناتا اور اس کی آبیاری کرتا ہے۔ اس کے مخالفین انسان کے بنیادی حقوق تک سے محروم ہو جاتے ہیں۔ ان کے خلاف ہر طرح کے جارحانہ رویہ کو وہ روا رکھتا ہے۔

اسلام دہشت گردی کے خلاف ہے

یہ اسلام پر صریح بہتان ہے، جو شخص بھی قرآن و حدیث کا آنکھیں کھول کر مطالعہ کرے گا وہ دیکھے گا کہ اسلام فتنہ وفساد کا حریف ہے۔ وہ اسے ہر قدم پر اور ہر محاذ پر چیلنج کرتا ہے۔ وہ ہر طرح کے فساد کو مٹا کر اصلاح کا عمل انجام دینا چاہتا ہے۔ اس نے دنیا کو آواز دی:

وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ؕ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ O (الاعراف:۵۶)

’’اور زمین میں (پیغمبروں کے ذریعہ) اس کی اصلاح کے بعد فساد نہ کرو اور اللہ کو خوف اور امید کے ساتھ پکارتے رہو۔ بے شک اللہ کی رحمت نکوکاروں سے قریب ہے۔‘‘

اس نے بار بار کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو عزت و احترام عطا کیا ہے اور اسے زندہ رہنے اور دنیا میں اپنا فرض ادا کرنے کا حق دیا ہے۔ یہ احترام اور یہ حقِ حیات اسی وقت ختم ہو سکتا ہے، جب کہ کوئی شخص خود ہی اپنی کسی حرکت یا رویہ سے اسے ختم کر دے اور عدل و انصاف گواہی دیں کہ اس نے زندگی کا حق کھو دیا ہے۔ کتنی واضح ہدایت ہے:

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ O (الانعام:۱۵۱)

’’اور کسی جان کو جسے اللہ نے محترم ٹھیرایا ہے، ہلاک نہ کرو مگر حق کے ساتھ۔‘‘

اسلام نے انسانی جان کے احترام کی جتنے پرزور الفاظ میں تعلیم دی اور جتنی موثر وکالت کی اس کی مثال دنیا کے کسی قانون میں دیکھنے کو نہیں ملتی۔ اس نے کسی ایک فردِ بشر کے قتلِ ناحق کو پوری نوعِ انسانی کا قتل قرار دیا اور کہا یہی اللہ کے رسولوں کی ہمیشہ تعلیم رہی ہے۔

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ط وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا۔ (المائدہ: ۳۲)

"جو کوئی، کسی نفس کو، جب کہ اس نے کسی کی جان نہ لی ہو یا زمین میں فساد نہ برپا کیا ہو، قتل کرے تو گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کر ڈالا اور جو کسی ایک نفس کو زندہ کرے گویا اس نے تمام انسانوں کو زندہ کر دیا۔"

یہ ہے اسلام کا نقطۂ نظر۔ اگر کسی نے قتل ناحق کا ارتکاب نہیں کیا ہے اور زمین میں کشت وخون اور فساد برپا نہیں کیا ہے یا اور اس طرح کے کسی سنگین جرم کا اس سے ارتکاب نہیں ہوا ہے، جو اسے واجب القتل قرار دے، تو وہ حقِ حیات رکھتا ہے۔ جو شخص اس حق کو پامال کرتا اور اس کا ناروا خون بہاتا ہے، وہ سارے انسانوں کا خون بہاتا ہے۔ اس لیے کہ اس نے اپنے عمل سے دنیا کو یہ غلط راستہ دکھایا کہ انسانی جان کی کوئی قیمت نہیں ہے اور بغیر کسی جرم کے بھی اس کی جان لی جاسکتی ہے۔ اس کے برخلاف اگر کوئی قتل ناحق کے خلاف سینہ سپر ہو گیا اور کسی معصوم کی جان بچالی تو اس نے تمام انسانوں کو حیات عطا کر دی۔ اس نے ثابت کر دیا کہ کسی بھی انسان کی جان ناحق نہیں لی جاسکتی۔

مسلمان اور دہشت گردی

حقیقت یہ ہے کہ جو شخص اسلام کی تعلیمات سے بالکل ہی بے خبر ہو یا اس کے متعلق شدید تعصب میں مبتلا ہو، وہی اسلام کی طرف دہشت گردی کو منسوب کرنے کی جرأت کر سکتا ہے۔ کسی انصاف پسند شخص سے اس کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ موجودہ دور ہر مسئلہ کو سیاست کی عینک سے دیکھنے کا عادی ہو چکا ہے۔ چنانچہ اس معاملہ میں بھی یہی نظر آرہا ہے۔ سیاسی مصلحتوں اور عالم اسلام کے رجحان کو دیکھ کر الزامات کا رخ مسلمانوں کی طرف موڑ دیا گیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اسلام امن وامان کا مذہب ہے۔ وہ تو دہشت گردی کی تعلیم نہیں دیتا، البتہ مسلمانوں میں ایسے افراد اور گروہ ہیں جو دہشت گردی پھیلا رہے ہیں۔ گویا دنیا کی تمام قوموں اور ان کے مختلف طبقات اس لعنت سے محفوظ ہیں اور اسلام کے ماننے والے اور امت مسلمہ سے تعلق رکھنے والے افراد اور طبقات ہی انسان دشمنی کا یہ فرض انجام دے رہے ہیں۔

اسامہ بن لادن، افغانستان اور امریکہ

امریکہ میں ہونے والے حالیہ واقعات کے سلسلہ میں اسامہ بن لادن کا نام پوری قطعیت کے ساتھ لیا جارہا ہے اور یہ باور کرانے کی کوشش کی جارہی ہے کہ امریکہ میں جو حادثہ رونما

ہوا، اس میں اس کا ہاتھ ہے اور دنیا کے سارے ملکوں میں ایک غریب، نادار اور خانہ جنگی سے خستہ حال ملک افغانستان کو، جہاں اسامہ بن لادن جلاوطنی کی زندگی گزار رہا ہے، نشان زد کر دیا گیا ہے کہ وہ دہشت گردوں کی پناہ گاہ ہے، وہیں دہشت گردی کی تربیت ہوتی ہے اور وہیں سے یہ پھیلتی ہے۔ اس طرح عملاً یہ فیصلہ سنا دیا گیا کہ اگر افغانستان اور اسامہ بن لادن کو ختم کر دیا جائے تو دنیا دہشت گردی سے محفوظ ہو جائے گی اور امنِ عالم کو ایک حقیقی خطرہ سے نجات مل جائے گی۔

امریکہ کا افغانستان سے مطالبہ ہے کہ دہشت گردی بند کر دے، اسامہ بن لادن کو اس کے حوالے کر دے، اس کی تنظیم القاعدہ کو جڑ پیڑ سے اکھاڑ پھینکے، دہشت گردی کے تمام اڈے ختم کر دے، اور اس کے معائنہ کی سہولت فراہم کرے تاکہ امریکہ کو یہ اطمینان ہو جائے کہ اس نے فی الواقع اس کے یہ اڈے ختم کر دئے ہیں۔

کسی آزاد ملک کو اس طرح کی شرائط ڈکٹیٹ کرانا اور اس کی پابندی کے لیے اسے مجبور کرنا خود ایک نازیبا اور غیر اخلاقی حرکت ہے۔ بے چارے افغانستان نے جواب دیا کہ نہ ہمارے حالات ہیں اور نہ ہمارے وسائل کہ ہم دہشت گردی کی تعلیم دیں اور اس کے لیے افراد تیار کریں۔ امریکہ جیسی عالمی طاقت کے اندر گھس کر اتنے بڑے حملے کے لیے کسی کو تیار کرنا، اس کی ٹریننگ دینا اور اس سے یہ کام لینا ہمارے بس سے باہر ہے۔

اس پر کہا گیا تمہارے ہاں دنیا کا سب سے بڑا دہشت گرد اسامہ بن لادن موجود ہے۔ یہ حرکت اسی کی ہے۔ افغانستان کا جواب یہ تھا کہ جب یہ حرکت ہماری طاقت سے باہر ہے تو اسامہ کیسے کر سکتا ہے، اسے یہ طاقت کہاں سے حاصل ہو گئی؟

اس سے امریکہ کو اطمینان نہیں ہوا۔ اس نے کہا کہ ہمیں یقین ہے کہ اسامہ اس میں ملوث ہے۔ ہمارے پاس اس کا ثبوت ہے۔ افغانستان نے ثبوت کا مطالبہ کیا اور کہا کہ ثبوت کے ملنے پر ہم اس پر مقدمہ چلائیں گے اور جرم ثابت ہو جائے تو اسے سزا دیں گے۔ اگر ہم پر اعتماد نہیں ہے تو ثبوت ملنے پر کسی غیر جانب دار ملک میں بھی اس پر مقدمہ چلایا جا سکتا ہے۔ وہ ہمارا مہمان ہے بغیر ثبوت اور شواہد کے ہم اسے کسی کے حوالے نہیں کر سکتے۔ اس طرح کی کوئی بھی معقول بات امریکہ کے لیے نا قابل قبول تھی۔ وہ غضب سے بھڑک اٹھا اور کہا کہ تمہارے لیے اتنی بات کافی ہونی چاہیے کہ ثبوت ہمارے پاس ہے۔ ہم وہ اپنے دوستوں اور حلیفوں کو دکھا بھی

سکتے ہیں لیکن تمہیں یا اسامہ کو ثبوت فراہم کرنا ہماری مصلحت کے خلاف ہے۔ حالانکہ دنیا کا ایک مسلمہ قاعدہ قانون ہے کہ اگر کسی پر الزام لگایا جاتا ہے تو جب تک الزام ثابت نہ ہو جائے، اسے مجرم نہیں قرار دیا جاتا اور اسے سزا کا مستحق نہیں سمجھا جاتا۔ کسی کو پھانسی دینے سے پہلے عدالت سے اس کا جرم ثابت کیا جاتا ہے۔ اس کے بغیر اس کا جواز نہیں تسلیم کیا جاتا۔ افغانستان یا اسامہ کا جرم نہ دنیا کے سامنے آیا اور نہ کسی بین الاقوامی ادارہ میں اسے ثابت کیا گیا۔ بلکہ اسے پیش بھی نہیں کیا گیا اور ایک کم زور قوم پر ایک بڑی طاقت ٹوٹ پڑی اور ساری دنیا کو دہشت گردی کی سرکوبی کے نام پر افغانستان کے خلاف جمع بھی کر لیا گیا اور ہر طرف سے بمباری شروع کر دی گئی۔

کہا جا رہا ہے کہ یہ جنگ افغانستان کے عوام کے خلاف نہیں ہے بلکہ دہشت گردی کے خلاف ہے۔ ہمارا ہدف دہشت گردی کے اڈّے ہیں۔ اس کے پیچھے کارفرما ذہن اسامہ بن لادن کو تلاش کر کے اسے کیفر کردار تک پہنچانا ہے۔ اب اسے کسی بھی صورت میں ختم کرنے کا اعلان کیا گیا ہے۔ لیکن عملاً اب یہ جنگ صرف اس مقصد کے لیے نہیں رہی بلکہ افغانستان کی عام آبادی بھی امریکہ کے حملوں کی زد میں آ گئی ہے۔ معصوم جانیں ضائع ہو رہی ہیں، فوجی اڈے ہی نہیں رفاہی ادارے اور عبادت گاہیں تک نشانہ بن رہی ہیں، ہزاروں لاکھوں افراد، جن میں عورتیں، بچے، بوڑھے، مریض اور زخمی ہیں، پڑوسی ملکوں کی طرف رخ کر رہے ہیں۔ لیکن وہاں سرحدیں بند ہیں۔ ان کے سر چھپانے اور بھوک مٹانے کا بھی صحیح معنی میں کوئی نظم نہیں ہے۔

امریکہ دنیا میں حقوق انسانی کا علم بردار ہے، انسانیت کی ہمدردی کا دم بھرتا ہے، قانون کی برتری اور عدل و انصاف کا قائل ہے، آزادیِ فکر و عمل کو انسان کا بنیادی حق تسلیم کرتا ہے، کسی دوسرے ملک میں عدم مداخلت کو اصولی طور پر غلط مانتا ہے۔ لیکن یہ سوال اہم ہے کہ وہ کس حد تک ان زرّین اصولوں کا پابند ہے۔ اس کی تاریخ ہی یہ ہے کہ اس نے قدم قدم پر ان اصولوں کی خلاف ورزی کی ہے اور اپنے مفاد کے لیے وہ سب کچھ کیا ہے، جو ایک بے اصول قوم کر تی یا کر سکتی ہے۔ افغانستان میں اس نے جس طرح ان اصولوں کی پامالی کی ہے، اس نے اس کی سیاہ تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا ہے اور دنیا میں اس کا وقار مجروح ہوا ہے۔

دنیا کا ردعمل

۱۱ ستمبر کے واقعے کے بعد امریکہ نے دہشت گردی کے خاتمہ کے نام پر افغانستان

کے خلاف دنیا کے تمام بڑے ممالک کو اپنے ساتھ لے لیا۔ اب یوں محسوس ہوتا ہے کہ ہر ایک کا ہدف افغانستان ہے۔ لیکن اس کے ساتھ یہ خوشی کی بات ہے کہ خود امریکہ میں اور اس کے حلیف مغربی ملکوں میں اس جارحانہ رویہ کے خلاف آواز بلند ہو رہی ہے۔ اس واقعہ کے پیچھے جن لوگوں کا ہاتھ ہو سکتا ہے ان سب کو جس طرح نظر انداز کر کے صرف افغانستان کو ہدف بنایا گیا ہے، اسے عدل و انصاف کے خلاف سمجھا جا رہا ہے۔ کہیں کہیں احتجاج بھی ہو رہا ہے۔ یہ آواز کم زور ہے لیکن بعید نہیں کہ وقت گزرنے کے ساتھ یہ طاقت پکڑ لے اور امریکہ کو اپنی غلطی کا احساس ہو۔

عالم اسلام کا ردعمل

بعض مسلم ملکوں نے بھی امریکہ کے اس اقدام کی تائید کی ہے اور اس کا ساتھ دیا ہے، لیکن امریکہ جانتا ہے اور دنیا بھی جانتی ہے کہ مسلم عوام کی ہمدردی اسے حاصل نہیں ہے۔ وہ محسوس کرتے ہیں کہ ایک کم زور ملک پر ناحق اور بغیر کسی ثبوت کے حملہ کیا گیا ہے، جو ملک پہلے سے تباہ ہے اور جہاں لوگ بھوکوں مر رہے ہیں، اسے مزید تباہ کیا جا رہا ہے۔ یہ سراسر ظلم ہے، ناانصافی ہے، انسانی حقوق کی اور بین الاقوامی قوانین کی خلاف ورزی ہے۔ مسلمانوں کے جذبات کا اندازہ ان احتجاجات اور مظاہروں سے کیا جا سکتا ہے، جو مسلم ممالک میں مسلسل ہو رہے ہیں۔

مسلمانان ہند کے جذبات

ہندستان کے مسلمانوں نے بھی امریکہ کے ظلم و زیادتی کے خلاف آواز اٹھائی ہے اور افغانستان سے ہمدردی کا اظہار کیا ہے۔ جذبات کے اس پرامن اظہار کو بعض افراد اور حلقے قومی تعصب بلکہ اس سے آگے بڑھ کر دہشت گردی کی حمایت قرار دے رہے ہیں۔ حالانکہ مظلوم سے ہمدردی اور دہشت گردی کی تائید و حمایت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اس معاملے میں عام میڈیا نے اور بہت سے پڑھے لکھے لوگوں نے بھی مسلمانوں کے جذبات کو سمجھنے کی سنجیدہ کوشش نہیں کی۔ اسے صحیح پس منظر میں دیکھنے اور سمجھنے کی ضرورت ہے۔

۱۔ مسلمان ایک امت ہیں

مسلمان قرآن و حدیث کی رو سے ایک ملت اور ایک امت ہیں۔ اللہ کے دین نے ان

سب کو ایک وحدت میں جوڑ رکھا ہے۔ وہ ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ ان میں سے ایک کی خوشی، دوسرے کی خوشی اور ایک کا غم دوسرے کا غم ہے۔ اس لیے دنیا کے کسی بھی گوشے میں ان کے کسی گروہ یا طبقے کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو پوری امت اس کا صدمہ محسوس کرتی ہے۔ اس پر تنقید یا اعتراض بے معنیٰ ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے اور اسے کسی طرح نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ جن افراد اور اقوام کے درمیان نظریات مشترک ہوتے ہیں یا مذہب اور عقیدے کا اشتراک پایا جاتا ہے، ان میں ایک طرح کی محبت اور یگانگت پائی جاتی ہے اور ہمدردی کے جذبات کارفرما ہوتے ہیں۔ کسی عیسائی کو نقصان پہنچے تو دوسرے عیسائی کو اس کا افسوس ہوتا ہے، کسی یہودی کو چوٹ بھی لگے تو دوسرا یہودی اس کا درد محسوس کرتا ہے۔ جن قوموں اور ملکوں میں غیر مذہبی نظریات کارفرما ہیں، ان کا بھی یہی حال ہے۔ ایک سچے کمیونسٹ کو اپنی نظریاتی برادری سے محبت ہوتی ہے۔ سرمایہ دار ممالک ایک دوسرے کی حمایت میں کمر بستہ رہتے ہیں۔ یہ سب فطری دائرے میں صحیح ہے۔ بات غلط اس وقت ہوتی ہے، جب آدمی حق و ناحق اور درست و نادرست کو دیکھے بغیر اپنے آدمی اور اپنے حلقہ کی حمایت کے لیے کھڑا ہو جائے اور یہ سمجھنے لگے کہ حق وہ ہے، جو میرا ہم مسلک اور ہم مشرب اختیار کرے۔ اس کی تائید میرا فرض ہے۔ اسلام اس ذہن کے خلاف ہے۔ وہ اپنے ماننے والوں کے درمیان اخوت و محبت اور نصرت و حمایت کے جذبات ابھارتا ہے اور اسے ایمان کا لازمی جزء قرار دیتا ہے۔ لیکن دوسروں سے تعصب، نفرت، عداوت اور شقاوت کی تعلیم نہیں دیتا۔ اس لیے افغانستان پر جو جورِ ناروا ہو رہا ہے اور جس طرح اسے ظلم و ستم کی آماج گاہ بنالیا گیا ہے، اس پر مسلمان درد و کرب کا اظہار کر رہے ہیں تو اسے تعصب کا نام نہیں دیا جاسکتا۔ اس میں کسی قسم کے تعجب اور حیرت کی کوئی بات ہی نہیں ہے۔ تعجب خیز بات تو یہ ہوتی کہ مسلمان اس پر سکوت اختیار کرتے اور ملّی بے حسی کا ثبوت دیتے۔

۲۔ انصاف کی علم بردار امت

یہ وقت ہے کہ ہندستان کے مسلمانوں کو بلکہ پوری امت مسلمہ کو اپنے قول و عمل سے اس بات کا ثبوت دینا چاہیے کہ مسلمان انصاف پسند ہے، انصاف کا علم بردار ہے، اس کا وجود دنیا

سے ظلم کو مٹانے اور عدل و انصاف کو قائم کرنے کے لیے ہے۔ ظلم کہیں بھی ہو اور کسی پر بھی ہو وہ اس کے خلاف ہے۔ اس کی تائید اسے حاصل نہیں ہوسکتی۔ ظلم و عدوان اس کے حقیقی بھائی یا اس کے خونی رشتہ دار ہی کی طرف سے کیوں نہ ہو اور اس کا ہم مذہب ہی اس کا ارتکاب کیوں نہ کرے وہ اس کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ ظلم بہرحال ظلم ہے۔ افراد کے بدلنے سے اس کی شناعت ختم نہیں ہوجاتی۔ اسلام کی واضح تعلیم اور ہدایت ہے کہ مسلمان ہر حال میں عدل پر قائم رہے۔ دشمنوں کے ساتھ بھی عدل کا معاملہ کرے اور کسی حال میں بھی انصاف کا دامن اس کے ہاتھ سے نہ چھوٹے۔ ارشاد ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ز وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ط اِعْدِلُوْا قف هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ز وَاتَّقُوا اللّٰهَ ط اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ م بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ (المائدہ: ۸)

اے ایمان والو! اللہ کے لیے کھڑے ہونے والے بن جاؤ۔ انصاف کی شہادت دینے کے لیے اور کسی قوم کی دشمنی تمھیں ہرگز اس پر نہ ابھارے کہ تم انصاف نہ کرو۔ انصاف کرو۔ یہی تقویٰ سے قریب تر ہے۔ اللہ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ جو کچھ تم کرتے ہو اس سے باخبر ہے۔

۳۔ دعا کا اہتمام ہو

دعا مومن کا بہت بڑا ہتھیار ہے۔ مصیبت چھوٹی ہو یا بڑی، انفرادی ہو یا اجتماعی، جانی نقصان ہو یا مالی، خوف و خطر کا ماحول ہو یا قحط سالی اور فقر و فاقہ کی کیفیت، یہ سب مومن کے لیے آزمائش اور امتحان ہیں۔ حکم ہے کہ ہر قسم کی اور ہر طرح کی آزمائش میں اور ہر نازک موقع پر وہ اللہ کی طرف رجوع کرے اور اسی سے اپنا تعلق استوار کرے۔ اس کا یہ عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک قابل ستائش اور محبوب ہوگا اور بندہ اس کی رحمت و عنایت کا مستحق قرار پائے گا:

... وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ لا قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝ط اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ قف وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ۔ (البقرہ: ۱۵۵-۱۵۷)

"...اور خوش خبری سنا دو صبر کرنے والوں کو، وہ جن کو کچھ مصیبت پہنچتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے ہیں (اس کی ملکیت ہیں) اور ہم اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ ان ہی لوگوں پر اللہ کی عنایتیں اور اس کی رحمت ہے۔ یہی وہ ہیں جن کو ہدایت ملی ہے۔"

ہمیں دعا کرنی چاہیے کہ اے اللہ! اسامہ بن لادن اور طالبان پر دہشت گردی کا الزام لگا کر افغانستان کو تباہ و برباد کیا جا رہا ہے۔ اس کی شہری آبادی پر بم برس رہے ہیں۔ اس کی زرعی زمینوں، کھیتوں، کھلیانوں اور باغوں میں آگ لگی ہوئی ہے۔ اس کے رفاہی ادارے، اسپتال اور اسکول ختم ہو رہے ہیں، اے اللہ! دہشت گردی کا یہ الزام بظاہر غلط ہے۔ اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے اس وقت وہ تیری رحمتِ خاص کے مستحق ہیں، تو ان پر رحم فرما۔ انہیں دین حق پر ثابت قدم رکھ، انہیں توفیق دے کہ وہ شریعت کے پابند رہیں، ان سے خلاف شرع کوئی عمل نہ ہو، وہ اسلامی اخلاقیات اور اسلامی ہدایات پر پورے خلوص کے ساتھ عمل پیرا ہوں، انسانی حقوق کا احترام کریں۔ عدل و انصاف پر قائم رہیں، ظلم و زیادتی سے ان کا دامن پاک ہو۔ اے اللہ انہیں ظلم و ستم سے محفوظ رکھ اور ظالموں کو اپنے منصوبوں میں ناکام کر دے۔

۴۔ جذباتیت کا مظاہرہ صحیح نہیں ہے

اس معاملے میں بے جا جوش اور جذباتیت کا مظاہرہ صحیح نہیں ہے۔ اس سے آپ کی ہمدردی کو غلط معنیٰ پہنائے جائیں گے اور اسے دہشت گردی کی حمایت سمجھا جائے گا۔ آپ کو صاف الفاظ میں واضح کرنا چاہیے کہ آپ ہر طرح کی دہشت گردی کے خلاف ہیں۔ چاہے وہ افراد کی طرف سے ہو یا اقوام کی طرف سے۔ اس کے ساتھ آئین کے حدود میں رہتے ہوئے یہ سمجھانے کی ضرورت ہے کہ افغانستان پر جو جنگ مسلط کی گئی ہے، اس کا کوئی جواز نہیں ہے۔ وہ سراسر ظلم اور ناانصافی ہے۔ اسی ظلم کے خلاف آواز اٹھائی جا رہی ہے۔ اس معاملے میں آپ کو ہندستان کے تمام انصاف پسند افراد کی حمایت حاصل ہوگی۔ اس کے ساتھ آپ اس مفلس اور تباہ حال ملک کے لیے غذا، لباس، دوا جیسی اشیاء ضرورت متعلقہ ایجنسیوں اور اداروں کے ذریعہ پہونچا سکتے ہیں۔ یہ دینی اخوت اور انسانی ہمدردی کا ایک لازمی تقاضا ہے۔

حذر اے چیرہ دستاں

یہ بات کسی بھی فرد، گروہ، قوم اور ملک کو، چاہے وہ کتنی ہی بڑی طاقت کیوں نہ ہو،

فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ اس دنیا کا ایک خالق و مالک ہے۔ اس کی طاقت سب سے بڑی ہے۔ اس کی قوت قاہرہ کا کوئی مقابلہ نہیں کرسکتا۔ اس سے بغاوت اور سرکشی، اس کی معصیت اور نافرمانی، اس کے بندوں کے ساتھ ظلم وزیادتی اور ان کے حقوق کی پامالی افراد اور اقوام کو تباہی اور بربادی کی طرف لے جاتی ہے۔ جو قوم بھی یہ راستہ اختیار کرے وہ دیر سویر خدا کے غضب کا نشانہ بن کر رہتی ہے۔ اس لیے اسے رک کر اپنے انجام پر غور کرنا اور اپنی روش کا جائزہ لینا چاہیے۔ اس حقیقت کی طرف قرآن مجید نے بار بار توجہ دلائی ہے۔ چنانچہ سورۂ عنکبوت میں بعض ان قوموں کا ذکر ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی ہدایت کو ٹھکرادیا، اس کے رسولوں کی مخالفت پر کمربستہ ہوگئے، نافرمانی اور معصیت کی راہ اختیار کی، عیش وعشرت میں مگن رہے، جرائم اور بدکاریوں میں غرق ہوتے چلے گئے اور یہ سوچنے کے لیے بھی تیار نہ ہوئے کہ وہ اپنی اس روش کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے قریب ہورہے ہیں اور اس کا قہر ان پر ٹوٹ پڑنے والا ہے۔ بالآخر اللہ نے انہیں پکڑا اور صفحۂ زمین سے حرف غلط کی طرح مٹادیا:

فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝ (العنکبوت: ۴۰)

''پھر ہم نے ان سب کو ان کے گناہوں کی پاداش میں پکڑلیا۔ ان میں سے بعض وہ تھے جن پر ہم نے کنکر اور پتھر والی آندھی بھیجی، ان میں سے بعض کو ایک ہولناک چیخ نے پکڑلیا اور بعض وہ تھے جن کو ہم نے زمین میں دھنسادیا اور ان میں سے بعض کو ہم نے غرق کردیا۔ اللہ ایسا نہیں ہے کہ ان پر ظلم کرے بلکہ وہ خود اپنے اوپر ظلم کررہے تھے۔''

آیت کا آغاز ہی معنی خیز اور آنکھیں کھول دینے والا ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے جس قوم کو بھی پکڑا اس کے گناہوں کی پاداش میں پکڑا۔ اللہ کی گرفت بے سبب نہیں تھی۔ وہ جب بھی کسی کو پکڑتا ہے اس کے اعمال بد کے نتیجہ میں پکڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا عذاب ایک طرح کا نہیں رہا۔ وہ مختلف شکلوں میں آتا رہا ہے۔ کبھی ایسی آندھی چلی کہ پوری بستی کو اپنی جگہ سے اکھاڑ پھینکا اور وہ ڈھیر ہوکر رہ گئی۔ کبھی ہولناک آواز کے ساتھ ایسا بھونچال آیا کہ کلیجے شق ہوگئے اور قوم کی قوم

پیوند خاک ہوگئی۔ تاریخ نے یہ بھی دیکھا کہ زمین شق ہوئی اور نافرمانوں کی آبادی اس میں سما گئی۔ ان ہی جرائم کی بنا پر فرعون اور اس کی قوم غرقِ دریائے نیل ہوئی۔

بات اس پر ختم ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا تھا بلکہ وہ خود اپنے اوپر ظلم کررہے تھے، مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ ظالم نہیں ہے۔ وہ کسی کے خلاف ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا۔ اس کی ذات ظلم و ناانصافی سے پاک ہے۔ افراد ظلم کرتے ہیں، قومیں اور ملتیں ظلم کرتی ہیں اور پھر اپنے کیے کے فطری انجام سے دوچار ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ جو ظلم وعدوان کی راہ اختیار کرے گا تباہ ہوگا۔ اس سے وہ بچ نہیں سکتا بالکل اسی طرح جیسے سنکھیا کھانے والا موت کو دعوت دیتا ہے۔ کوئی اسے بچا نہیں سکتا۔ یہ طبعی قانون ہے اور اس کا اخلاقی قانون یہ ہے کہ جو گروہ ظلم وعدوان کی راہ اختیار کرے وہ تباہ ہوگا۔ اس سے وہ محفوظ نہیں رہ سکتا۔ اللہ تعالیٰ کے طبعی قانون کی طرح اس کا اخلاقی قانون بھی ناقابل تغیر ہے۔ اس لیے قرآن کہتا ہے اور پورے زور کے ساتھ کہتا ہے کہ اسے ماضی کی داستان نہ سمجھا جائے بلکہ یہ ایک الٰہی ضابطہ ہے، جو بھی اللہ کی نافرمانی کرے گا، استکبار فی الارض کا مظاہرہ کرے گا اور اس کے بندوں پر ظلم ڈھائے گا اور اس سے باز نہیں آئے گا وہ اپنے انجام سے دوچار ہوگا۔

اَفَاَمِنَ الَّذِيْنَ مَكَرُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْيَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَايَشْعُرُوْنَ ۝ۙ اَوْيَاْخُذَهُمْ فِيْ تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝ۙ اَوْيَاْخُذَهُمْ عَلٰى تَخَوُّفٍ ؕ فَاِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ (النحل : ۴۵-۴۷)

''کیا بے خوف ہوگئے ہیں وہ لوگ جو بری چالیں چل رہے ہیں کہ اللہ انہیں زمین میں دھنسا دے یا ان پر عذاب اس طرف سے آجائے جس کا انہیں خیال نہ ہو۔ یا وہ انہیں چلتے پھرتے میں پکڑ لے۔ وہ اللہ کو عاجز نہیں کرسکتے۔ یا ان کو خوف کی حالت میں پکڑ لے۔ پس بے شک تمہارا رب بڑا مہربان اور رحیم ہے۔''

قرآن مجید کے ان بیانات میں دنیا کی تمام قوموں اور حکومتوں کے لیے خاص طور پر اس وقت کی طاقت ور قوموں اور مملکتوں کے لیے تنبیہ اور تذکیر ہے۔ کاش وہ اس سے عبرت اور نصیحت حاصل کرتیں اور اپنے اقدامات سے باز آتیں۔

ڈاکٹر فضل الرحمٰن فریری
ایڈیٹر ماہ نامہ زندگیِ نو، نئی دہلی

امریکی دہشت گردی اور بہیمانہ انتقام

ورلڈ ٹریڈ سنٹر کے حادثے کے تین یا چار ہفتے کی ہم جہتی تیاری کے بعد بالآخر ریاست ہائے متحدہ امریکہ نے افغانستان پر حملہ کر دیا۔ اس جنگ کی خصوصیت یہ ہے کہ دو مقابل طاقتوں کے درمیان معرکہ آرائی نہیں ہے، بلکہ دنیا کی سب سے بڑی طاقت کی، دنیا کے سب سے کمزور اور مفلوک الحال ملک کے خلاف جنگ ہے۔ انگلستان کی پارلیامنٹ میں ایک لیبر (Labor) ایم. پی. جارج گیلووے (George Galloway) نے اس جنگ کی مثال یہ دی ہے:

"گویا مائیکل ٹائسن ایک پانچ سالہ بچے سے مقابلہ کرنے کے لیے اکھاڑے میں اتر گیا ہو۔"

یہ ایک بلا اعلان جنگ ہے۔ اس لیے کہ امریکہ نے افغانستان کے خلاف رسمی طور پر اعلان جنگ نہیں کیا ہے۔ نہ کسی دوسرے ملک نے امریکہ کے خلاف اعلان جنگ کیا ہے۔ اس جنگ کا ویتنام کی جنگ کی طرح عالمی جنگ بننے کا دور دراز کا بھی اندیشہ نہیں ہے۔ ویتنام کی جنگ میں دنیا کی دوسری سپر پاور روس اور چین کی حمایت ویتنام کو حاصل تھی۔ وہاں پر دو طاقتور عالمی طاقتوں کے براہ راست تصادم کا خطرہ لاحق تھا۔ لہٰذا ویتنام کی جنگجو فوج کو ہر طرح کی حمایت مل رہی تھی۔ لیکن یہاں تو افغانستان خود بھی تہی دست ہے۔ اور اس کو کسی بھی عالمی طاقت کی براہ راست تو کجا، بالواسطہ حمایت بھی حاصل نہیں ہے۔ یہ ایک خوفناک ٹریجڈی ہے، جس میں کئی ملین ڈالر کی قیمت والے کروز میزائلز، آواز سے تیز رفتار بمبار جہاز، جدید ترین ٹکنالوجی سے لیس ہتھیار کے نشانے

غریبوں اور مفلوک الحالوں کے خیمے ہیں، مٹی اور پتھر سے بنے ہوئے خستہ حال مکانات ہیں۔ پہاڑ اور پتھر ہیں، ریت کے ٹیلے ہیں۔ عہد ماضی کے معمولی ہتھیار ہیں، اور فاقہ کش انسان ہیں۔

چشم فلک نے ایسی خوفناک جنگ کم ہی دیکھی ہوگی۔ مگر ذرا ٹھہریے اور تاریخ کے صفحات الٹیے۔ آپ دیکھیں گے کہ چیرہ دست اسی طرح نابرابری کی معرکہ آرائی کرتے رہے ہیں اور آج بھی کررہے ہیں۔ ہندستان کے جاگیرداروں نے اپنی رعیت کی معمولی جسارت کو بہانہ بنا کر اسی طرح ان کو خانہ برباد کیا ہے۔ ان کی عزت آبرو لوٹی ہے اور ان کی انا کو کچلا ہے آج کی سپر پاور کی طرح انھیں روندا بھی ہے اور ساتھ ہی روٹی کے ٹکڑے بھی ان کے سامنے پھینکے ہیں۔ اسی طرح سندھ کے وَڈیروں اور پنجاب کے جاگیرداروں نے اپنے خلاف بولنے والوں کی زبان تک کاٹ دی ہے۔ ان کو تاحیات جوتے کے تسموں کے برابر رکھا ہے۔ اسی طرح برہمن چیرہ دستوں نے دلتوں اور اچھوتوں کے ساتھ معرکہ آرائی کی ہے اور آج بھی کررہے ہیں۔ یہ سب طاقت اور اقتدار کے نشے میں مدہوش قوتوں کی ضعیفوں، کمزوروں اور بے دست و پا افراد اور گروہوں کے خلاف داستان جنگ رہی ہے آج امریکہ کی افغانستان کے خلاف جنگ بھی اسی خونچکاں داستان کا ایک ٹکڑا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی سرشت کا بیان اس طرح کیا ہے:

إِنَّهُ كَانَ ظَلُوماً جَهُولاًo (الأحزاب: ۷۲)

''بے شک وہ (انسان) بڑا ظالم اور جاہل ہے۔''

ظلم اور چیرہ دستی کی ان داستانوں اور امریکہ کی حالیہ معرکہ آرائی میں کوئی جوہری فرق نہیں ہے۔ اس طرح کے ان گنت واقعات میں جرم سے کئی گنا زیادہ شدید سزا وہاں دی گئی تھی اور آج بھی دی جارہی ہے۔ اسی طرح آج بھی اگر مزعومہ ملزم اسامہ بن لادن اور القاعدہ ہے تو سزا افغانستان کی تمام آبادی کو دی جارہی ہے۔ لیکن ایک فرق دونوں کے درمیان ضرور پایا جاتا ہے۔ وہ یہ کہ امریکہ موجودہ جنگ کو تہذیب کی دہشت گردی کے خلاف، جمہوریت اور حریت فکر و نظر کی جبریت اور جنون کے خلاف، عدل و انصاف کی ظلم اور بربریت کے خلاف، جنگ قرار دے رہا ہے، اس نے اپنے مفادات کے تحفظ کو عالمی امن اور سلامتی کا تحفظ قرار دیا ہے۔

ریاست ہائے متحدہ امریکہ کا دعویٰ یہ ہے کہ یہ عادلانہ جنگ ہے، مگر تاریخ کا ریکارڈ یہ

ہے کہ عالمی طاقتوں نے جس جنگ کو جب چاہا ہے، عادلانہ جنگ قرار دیا ہے۔ یورپ اور امریکہ نے انتقامی جنگ کی اپنی داستان تصنیف کی ہے اور متعدد جنگی کارروائیوں کو عادلانہ انتقام قرار دیا ہے۔ ۱۸۲۷ء میں برطانیہ، فرانس اور امریکہ نے ترکی کی ناکہ بندی کی۔ ۱۸۵۰ء میں برطانیہ نے یونان کو ڈان پیسی فسکو حادثہ میں محض اس لیے دھمکی دی تھی کہ ایک یہودی نژاد انگلستان کے شہری کا مکان جلا دیا گیا تھا۔ امریکہ کی معروف مونرو ڈاکٹرین کو یہ اختیار دے دیا تھا کہ وہ شمالی اور جنوبی امریکہ کے دفاعی معاملات میں دخل اندازی کر سکے۔ ۱۸۵۴ء میں امریکہ نے 'نیکاراگوا' کے شہر 'گرے ٹاؤن' پر بمباری کی کیوں کہ امریکی صدر نے اس کو مجرموں کی پناہ گاہ قرار دیا تھا۔ یہی دلیل آج افغانستان کے 'طالبان' کے خلاف امریکی کارروائی کے جواز کے لیے دی جارہی ہے۔ ۱۸۹۵ء میں امریکہ کے بحری بیڑے نے پیارگوے (Paraguay) میں دخل اندازی کی۔ ۱۹۱۴ء میں میکسکو کے ایک حصہ پر اس لیے قبضہ کر لیا کیوں کہ امریکی آفیسروں اور مجرموں کو خطرہ لاحق تھا۔ ۲۲/اپریل ۱۹۱۴ء کے امریکی کانگریس کے ریزولیشن اور اسی کے ۲۰۰۱ء کے افغانستان سے متعلق اعلانات میں کتنی قریبی مماثلت ہے، اس کا اندازہ کرنے کے لیے ۱۸۱۴ء کے اعلان پر غور کیجیے۔ وہاں بھی یہ کہا گیا تھا کہ میکسکو کے باشندوں سے امریکہ کی کوئی دشمنی نہیں ہے۔ البتہ امریکی صدر کو اس ریزولیشن کے ذریعہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ امریکہ کی بے عزتی کا تاوان وصول کرے۔ ۱۹۲۳ء میں اٹلی نے، اپنے چند افسروں کے قتل کے بدلے میں کورفس (Corfis)، جو یونان کا علاقہ ہے، پر قبضہ کر لیا تھا۔ ۱۹۴۱ء کے 'پرل ہاربر' پر حملے کے بعد ویتنام میں بربریت اور خون آشامی کا بدترین کھیل کھیلا گیا کیوں کہ 'آزاد دنیا' کو اشتراکیت کے جنون کا خوف لاحق تھا۔ عالمی جنگ ثانی کے آخری مرحلے میں ہیروشما اور ناگاسا کی پر ایٹم بم گرائے گئے تاکہ جنگجو جاپان کو اس کی سزا دی جائے اور اس کے لاکھوں انسانوں کو ہلاک اور مفلوج کر دیا جائے، اور اس طرح امن و سلامتی قائم کی جائے۔ ۱۹۹۲ء میں عراق پر بمباری کی گئی تاکہ کویت کا دفاع کیا جائے۔ ۱۹۹۸ء میں یوگوسلاویہ پر بمباری کی گئی۔ سوڈان کی دوا ساز کمپنی پر بمباری کر کے اس کو تباہ کر دیا گیا تاکہ نیروبی کے امریکی سفارت خانہ پر خودکش حملے کے مجرموں کو سزا دی جائے۔ بمباری، امریکی معرکہ آرائی کی نئی پالیسی ہے جس کا جدید مرحلہ افغانستان ہے۔ کیا یہ تمام جنگیں عادلانہ تھیں؟ کیا ان معرکہ آرائیوں میں جرم اور سزا کے درمیان مناسبت تھی۔